صحیفہ سجادیہ

زیر سرپرستی حضرت ولی عصرؑ عجل اللہ فرجہ الشریف

سہ ماہی

مصباح الہدیٰ

صحیفہ سجادیہ نمبر

دینی، علمی، سماجی جریدہ

جلد (۶) شمارہ (۲)

ربیع الثانی، جمادی الاول، جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ

جنوری، فروری، مارچ ۲۰۱۷ء

مدیر اعلیٰ
سیّد منظر صادق زیدی

مدیر
سیّد محمد ثقلین جوراسی

نائب مدیر
سید وقار حیدر اعظمی

قیمت فی شمارہ ۶۰ روپیہ

سالانہ ممبرشپ ۲۰۰ روپیہ

ہدیٰ مشن، شفاعت مارکٹ زہرا کالونی مفتی گنج لکھنؤ-۳، اتر پردیش، انڈیا
Huda Mission
Shafaat Market, Zahra Colony, Muftiganj, Lucknow-3
09415090034, 8726254727, 00989196645165
misbah_al_huda@yahoo.com
tubamonthly@gmail.com

سہ ماہی
مصباح الہدیٰ

دینی، علمی، سماجی جریدہ

مجلس مشاورت

عالیجناب مولانا حسن عباس فطرت صاحب، عالیجناب مولانا قاضی محمد عسکری صاحب
عالیجناب مولانا ولی الحسن صاحب، عالیجناب مولانا محمد حسن معروفی صاحب
عالیجناب مولانا سید محمد جابر جوراسی صاحب، عالیجناب مولانا سید شمشاد حسین صاحب
عالیجناب ڈاکٹر ساجد امام زیدی صاحب

مجلس ادارت

عالیجناب مولانا سید تصدیق حسین صاحب، عالیجناب مولانا میثم زیدی صاحب
عالیجناب مولانا محمد سبطین باقری صاحب، عالیجناب مولانا وجیہ اکبر زیدی صاحب
عالیجناب مولانا سید عابد رضا نوشاد صاحب، عالیجناب مولانا فصاحت حسین صاحب
عالیجناب مولانا سید سجاد حیدر صفوی صاحب

مصباح الہدیٰ میں شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے
مصباح الہدیٰ کو موصولہ تحریروں میں ترمیم کا مکمل اختیار ہے
مصباح الہدیٰ میں شائع شدہ مضامین کو نقل کرنے کی اجازت ہے

بسمہ تعالیٰ

فہرست

اداریہ	ادارہ
نورانی کلام	ادارہ
تفسیر	آیۃ اللہ العظمیٰ آقای ناصر مکارم شیرازی
صحیفہ سجادیہ کی اہمیت	رہبر معظم آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی
امام زین العابدینؑ بارگاہِ معبود میں!	شارح صحیفہ سجادیہ، مفسر قرآن علامہ ذیشان حیدر جوادی طاب ثراہ
تجلیات امام زین العابدینؑ	عالیجناب مولانا حسن عباس فطرت صاحب
مقدمہ صحیفۂ کاملہ	مفتی جعفر حسین طاب ثراہ
صحیفۂ سجادیہ اور اعداء کے مکر و فریب کے دفعیہ کا طریقہ	عالیجناب مولانا ناظم علی خیر آبادی صاحب
امام سجادؑ اور اعلان فضائل اہلبیتؑ	عالیجناب مولانا سید محمد جابر جوراسی صاحب
بات صحیفہ کی	حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسین مہدی حسینی صاحب
امام زین العابدینؑ کی دعاؤں کے بارے میں میرے تاثرات	استاد محمد کامل حسین جامعۃ الازہر، مصر
صحیفۂ سجادیہ میں تربیتِ اولاد کے نقوش	حجۃ الاسلام عالیجناب مولانا سید شمشاد حسین رضوی صاحب
اخلاقی اقدار۔ صحیفۂ سجادیہ کی روشنی میں	پروفیسر سید فرمان حسین صاحب
امام سجادؑ کے آثار میں سکون و اطمینان کے عوامل	عالیجناب مولانا سید غلام السیدین صاحب جوراسی
صحتمند و ترقی پذیر معاشرہ بحوالہ صحیفۂ کاملہ	عالیجناب پروفیسر شاہ محمد وسیم صاحب
صحیفہ سجادیہ میں قرآن مجید کی تجلی	ڈاکٹر ابراہیم فلاح ۔ میرزا عسکری حسین صاحب
سماجی برائیاں اور اُن سے مقابلہ کا طریقہ صحیفہ سجادیہ کی روشنی میں	عالیجناب مولانا پیغمبر عباس صاحب نوگانوی
صحیفہ سجادیہ میں فضائل و سیرت رسولؐ کے جلوے	حجۃ الاسلام سید علی سجادی زادہ
صحیفہ سجادیہ میں امامت کے جلوے	عالیجناب مولانا ابرار حسین جعفری صاحب

صحیفہ سجادیہ کا اولین اردو ترجمہ	ڈاکٹر شہوار حسین نقوی صاحب
امام زین العابدینؑ: حقوق بشریت کے پہلے مدوّن	عالیجناب مولانا سید احسان حیدر جوادی صاحب
صحیفہ کاملہ کا ایک تجزیاتی مطالعہ	عالیجناب ڈاکٹر میر محمد علی صاحب
امام سجادؑ کے آثار میں سکون واطمینان کے عوامل	عالیجناب مولانا منہال رضا خیر آبادی صاحب
امام سجاد اور جہاد پر حج کی فضیلت کا فلسفہ	عالیجناب مولانا سید مراد رضا رضوی صاحب
رشتہ داروں کے حقوق امام سجادؑ کی نظر میں	عالیجناب مولانا سید سجاد حیدر صفوی صاحب
صحیفہ سجادیہ میں تذکرۂ موت	حجۃ الاسلام عالیجناب مولانا کوثر مجتبیٰ صاحب
صحیفۂ سجادیہ اور معرفت الٰہی	عالیجناب ڈاکٹر ریحان حسن صاحب
توبہ، صحیفہ سجادیہ کی نگاہ میں	عالیجناب مولانا سید محمد سبطین باقری صاحب
صحیفہ سجادیہ، سرچشمہ اخلاق	عالیجناب مولانا باقر رضا کاظمی صاحب
دعا اور صحیفہ سجادیہ	عالیجناب مولانا سید احسان احمد بنارسی
دعاء مکارم الاخلاق کے موضوعات	عالیجناب مولانا عباس رضا صاحب جلالپوری
گناہوں کے اثرات	عالیجناب مولانا انعام رضا مصطفی آبادی صاحب
صحیفۂ معرفت	منظر صادق زیدی
مناجات تائبین	عالیجناب صابر علی عمرانی صاحب
مناجات متوسلین	از: ظہور مہدی مولائی (مورشش، افریقہ)
فہم سے بالا ہے رتبہ، سید سجادؑ کا	عالیجناب حاشرؔ جوراسی صاحب
منقبت	مداح اہلبیت جرار اکبرآبادی صاحب
منظوم ترجمہ قصیدۂ معروفہ بہ میمیہ حضرت فرزدق	جناب عالم زیدپوری

★★★★★

اداریہ

عبادت وقیادت

اسلامی تعلیمات کے مطابق عبادت و بندگی صرف ''کمال'' ہی نہیں بلکہ کمالات کی بنیاد بھی ہے یعنی اسلامی نقطہ نظر سے بندہ جتنا بندگی کا مظاہرہ کرتا ہے خداوند عالم اسے اتنے ہی کمالات عطا کر دیتا ہے چنانچہ جب بندگی معراج پر پہونچتی ہے تو کمالات بھی اپنی انتہا کو پہنچ جاتے ہیں۔

البتہ اسلام کی نگاہ میں عبادت و بندگی کا مطلب دیگر مذاہب اور اہل دنیا کے تصور عبادت و بندگی سے مختلف ہے۔اہل دنیا جب بندگی میں کمال حاصل کرنا چاہتے ہیں تو دنیا سے ترک تعلق کر کے پہاڑوں اور غاروں کا رخ کرتے ہیں۔رشی مُنی ہوں یا صوفی سنت،سب عبادت وریاضت اور ''دھیان گیان'' کے لئے سماج ومعاشرہ سے رشتہ توڑ کر خدا سے ناطہ جوڑنے کی تعلیم دیتے ہیں۔

عبادت کے لئے جب معاشرہ سے قطع تعلق کر لیا جاتا ہے تو عبادت کے ساتھ قیادت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قیادت اسی وقت ممکن ہے کہ جب انسان نہ صرف یہ کہ معاشرہ میں رہے بلکہ معاشرہ کی رہبری ورہنمائی کرے اہل دنیا کے نزدیک عبادت کی طرح قیادت کا تصور ناقص ہے لہذا عبادت وقیادت کا اجتماع ناممکن ہے۔لیکن اسلام ایسی بندگی کو ''عبادت'' تسلیم نہیں کرتا کہ جس میں بندوں سے تعلق ختم کر کے معبود سے رابطہ رکھا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ تمام ہادیان اسلام خصوصاً ائمہ معصومین علیہم السلام نے زندگی میں عبادت خدا کے ساتھ ساتھ بندگان خدا کا بھرپور خیال رکھا ہے۔معاشرہ کے درمیان زندگی گزاری ہے۔سنت الٰہی یہی ہے کہ جس کے یہاں بندگی میں جتنا کمال نظر آیا قیادت وہدایت کی اتنی عظیم ذمہ داری اس کے سپرد کی گئی۔

اب ذرا اندازہ لگائیں کہ جس امامؑ نے کثرت عبادت و بندگی کے سبب اپنے نام نامی سے زیادہ ''زین العابدین'' اور ''سید الساجدین'' جیسے القاب سے شہرت پائی ہو اس کی قیادت کس منزل پر ہوگی۔

امام زین العابدین علیہ السلام کے بارے میں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ آپؑ نے انتہائی حساس و پرآشوب حالات اور اختناق کے ماحول میں قیادت و ہدایت امت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ حالات کی نوعیت کچھ ایسی ہے کہ قیام اور مسلحانہ اقدام تو دور کی بات ہے امامؑ لوگوں کو جمع بھی نہیں کر سکتے۔

حالات کے عین مطابق حکمت عملی میں تبدیلی کرتے ہوئے امامؑ نے دعا و مناجات کو اپنا اسلحہ بنایا اور خدا کو مخاطب کر کے بندگان خدا تک اپنا پیغام پہونچایا اور اسی طرح انتہائی سخت و دشوار حالات میں ہدایت کا فریضہ انجام دیا۔ آپؑ نے مظلومیت اور گریہ کے ساتھ ایسے حکیمانہ انداز میں قیادت فرمائی کہ بنی امیہ کے خلاف نفرت آمیز ماحول تیار ہوگیا اور مختصر سی مدت میں آپؑ کے آنسوؤں کے سیلاب میں اموی تخت و تاج بہہ گیا۔

آپؑ صرف اپنی دعاؤں اور مناجات ہی سے امت کی فکری رہنمائی نہیں فرما رہے تھے بلکہ عملی طور پر بھی غریبوں، ناداروں اور بیواؤں کی دستگیری فرما رہے تھے۔ رات کی تاریکی میں روٹیوں سے بھری ہوئی بوریاں اپنی پشت مبارک پر لاد کر آپؑ مدینہ کے غرباء کے یہاں پہونچایا کرتے تھے۔

دور حاضر کے محبان اہل بیتؑ انتہائی خوش نصیب ہیں کہ انہیں امام زین العابدینؑ کا چہارصد سالہ جشن ولادت منانے کا موقع نصیب ہوا ہے۔ اس پرمسرت جشن کو اسی وقت یادگار بنایا جا سکتا ہے جب ہم آپؑ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں اور اپنے کردار کو آپؑ کی سیرت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں۔

ھدیٰ مشن نے اس موقع پر آپؑ کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے ''صحیفہ سجادیہ نمبر'' کی اشاعت کا فیصلہ کیا ہے۔

ہم ان تمام صاحبان قلم کے شکر گذار ہیں جنہوں نے ہماری آواز پر لبیک کہا۔ ہمیں اعتراف ہے یہ ھدیہ بارگاہ امامت کے شایان شان تو نہیں ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ امامت کے سرچشمہ علم و معرفت اور رشد و ہدایت سے سیراب ہونے کے لئے اس میں کافی مواد ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

★★★★★

نورانی کلام
اقوال امام زین العابدین علیہ السلام

طول عمر

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: "وعمّرنی ما کان عمری بذلة فی طاعتک فاذا کان عمری مرتعا للشیطان فاقبضنی الیک سریعاً"

ترجمہ: خدایا میری عمر میں اضافہ فرما کہ زندگی تیری اطاعت میں بسر ہو۔ اور جب بھی میری زندگی شیطان کی چراگاہ بن جائے تو مجھے فوراً ہی اپنے پاس بلا لے۔ (صحیفۂ سجادیہ، دعا: ۲۰)

توضیح: انسان اپنی عمر صرف اللہ کی عبادت اور مخلوقات کی خدمت میں صرف کرے اور اپنے کو شیطانی وسوسوں سے دور رکھے تو یہی زندگی بابرکت اور بامقصد ہوگی، لیکن اگر شیطان نے انسان کو گمراہ کر دیا اور صراط حق سے ہٹا کر راہ ضلالت پر لگا دیا تو اس زندگی سے نقصان کے علاوہ کوئی فائدہ نہیں، راہ طاعت میں مختصر سی زندگی بھی معصیت کی طویل عمر سے بہت بہتر اور بابرکت ہے۔

محبت کی نظر

امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا: "نظر المؤمن في وجه أخيه المؤمن للمودّة و المحبة له عبادة"

ترجمہ: مومن کا برادرِ مومن کے چہرے پر محبت اور مودت سے نگاہ کرنا عبادت ہے۔

(تحف العقول، ص ۲۷۸)

توضیح: اسلام میں آپسی میل جول پر نہایت تاکید کی گئی ہے جس میں سب سے پہلے مرحلہ کی طرف امامؑ اشارہ فرما رہے ہیں کہ جب آپس میں ملیں تو کجروی اور غرور کے ساتھ نہ ملیں بلکہ ایک دوسرے سے محبت اور مہربانی کے ساتھ پیش آئیں اور یہ طریقہ ایک دوسرے کی محبت میں اضافہ کا سبب بنتا ہے جس کی وجہ سے معاشرہ سے بغض وحسد کینہ دور ہو جائے گا اور زندگی حسین ہو جائیگی۔

★★★★★

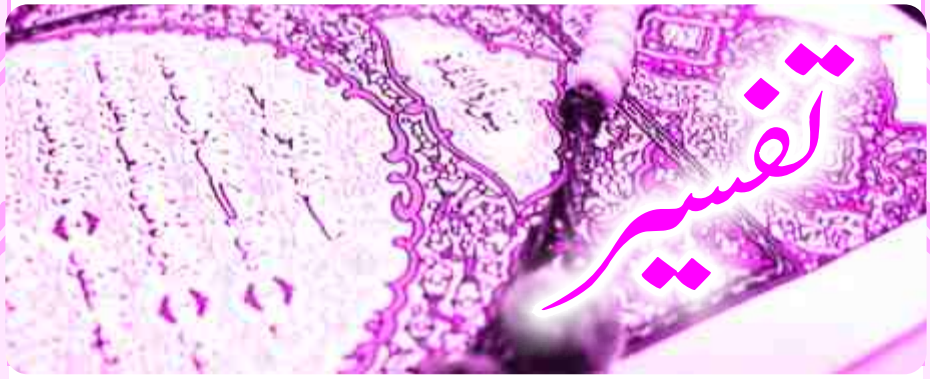

آیۃ اللہ العظمیٰ آقای ناصر مکارم شیرازی

آدم کس جنت میں تھے؟

اس سوال کے جواب میں اس نکتے کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے کہ اگر چہ بعض نے کہا ہے کہ یہ وہی جنت تھی جو نیک اور پاک لوگوں کی وعدہ گاہ ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ وہ بہشت نہ تھی بلکہ زمین پر سر سبز علاقوں میں نعمات سے مالا مال ایک روح پرور مقام تھا۔

اول تو وہ بہشت جس کا وعدہ قیامت کے ساتھ ہے وہ ہمیشگی اور جاودانی نعمت ہے جس کے دوام کی نشاندہی بہت سی آیات میں کی گئی ہے اور اس سے باہر نکلنا ممکن نہیں۔

دوم یہ کہ غلط اور بے ایمان ابلیس کے لئے اس بہشت میں جانے کی کوئی راہ نہ تھی۔ وہاں نہ وسوسہ شیطانی ہے اور نہ خدا کی نافرمانی۔

سوم یہ کہ اہل بیت سے منقول روایات میں یہ موضوع صراحت سے نقل ہوا ہے۔

ایک راوی کہتا ہے: میں نے امام صادق سے آدم کی بہشت کے متعلق سوال کیا۔ امام نے جواب میں فرمایا: "**جنة من جنات الدنیا یطلع فیها الشمس و القمر و لو کان من جنان الاخرة ماخرج منها ابدا**" دنیا کے باغوں میں سے ایک باغ تھا جس پر آفتاب و ماہتاب کی روشنی پڑتی تھی اگر آخرت کی جنتوں میں سے ہوتی تو کبھی بھی اس سے باہر نہ نکالے جاتے۔

(نور الثقلین جلد ۱، ص ۶۲ بحوالہ کتاب کافی)

یہاں سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ آدم کے ہبوط و نزول سے مراد نزول مقام ہے نہ کہ نزول مکان

یعنی اپنے اس بلند مقام اور سرسبز جنت سے نیچے آئے۔

بعض لوگوں کے نزدیک یہ احتمال بھی ہے کہ یہ جنت کسی آسمانی کرہ میں تھی اگرچہ وہ ابدی جنت نہ تھی بعض اسلامی روایات میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جنت آسمان میں تھی لیکن ممکن ہے لفظ "سماء" (آسمان) ان روایات میں مقام بلند کی طرف اشارہ ہو۔

تاہم بے شمار شواہد نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ جنت آخرت والی جنت نہ تھی کیونکہ وہ تو انسان کی سیر تکامل کی آخری منزل ہے اور یہ اس کے سفر کی ابتدا تھی اور اس کے اعمال اور پروگرام کی ابتدا تھی اور وہ جنت اس کے اعمال اور پروگرام کا نتیجہ ہے۔

آدم کا گناہ کیا تھا:

واضح ہے کہ آدم اس مقام کے علاوہ جو خدا نے گذشتہ آیات میں ان کے لئے بیان کیا ہے معرفت وتقوی کے لحاظ سے بھی بلند مقام پر فائز تھے۔ وہ زمین میں خدا کے نمائندہ تھے، وہ فرشتوں کے معلم تھے وہ عظیم ملائکہ الٰہی کے مسجود تھے اور یہ مسلم ہے کہ آدم ان امتیازات وخصوصیات کے ہوتے ہوئے گناہ نہیں کر سکتے تھے علاوہ ازیں ہمیں معلوم ہے کہ وہ پیغمبر تھے اور ہر پیغمبر معصوم ہوتا ہے۔ لہذا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آدم سے جو کچھ سرزد ہوا وہ کیا تھا۔ یہاں تین تفاسیر موجود ہیں۔

(۱) آدم سے جو کچھ سرزد ہوا ترک اولی تھا۔ دوسرے لفظوں میں ان کی حیثیت اور نسبت سے وہ گناہ تھا لیکن گناہ مطلق نہ تھا۔ گناہ مطلق وہ گناہ ہوتا ہے جو کسی سے سرزد ہو اور اس کے لئے سزا ہے (مثلاً شرک، کفر، ظلم اور تجاوز وغیرہ) اور نسبت کے اعتبار سے گناہ کا مفہوم یہ ہے کہ بعض اوقات بعض مباح اعمال بلکہ مستحب بھی بڑے لوگوں کے مقام کے لحاظ سے مناسب نہیں۔ انہیں چاہیئے کہ وہ ان اعمال سے گریز کریں اور اہم کام بجالائیں ورنہ کہا جائے گا کہ انہوں نے ترک اولی کیا ہے۔ مثلاً ہم جو نماز پڑھتے ہیں اس کا کچھ حصہ حضور قلب سے ہوتا ہے اور کچھ بغیر اس کے۔ یہ امر ہمارے مقام کے لئے تو مناسب ہے لیکن حضرت رسولخداؐ اور حضرت علیؑ کے شایان شان نہیں ان کی ساری نماز خدا کے حضور میں ہونی چاہیئے اور اگر اس کے علاوہ کچھ ہو تو کسی فعل حرام کا ارتکاب تو نہیں تاہم ترک اولی ہے۔

(۲) خدا کی نہی یہاں "نہی ارشادی" ہے جیسے ڈاکٹر کہتا ہے فلاں غذا نہ کھاؤ۔ ورنہ بیمار پڑ جاؤ گے۔ خدا نے بھی آدم سے فرمایا کہ اگر اس درخت ممنوع سے کچھ کھالیا تو بہشت سے باہر جانا پڑے گا اور رنج و تکالیف میں مبتلا ہونا پڑے گا لہذا آدم نے حکم خدا کی مخالفت نہیں کی بلکہ "نہی ارشادی" کی مخالفت کی ہے۔

(۳) جنت بنیادی طور پر جائے تکلیف نہ تھی بلکہ وہ آدم کے زمین کی طرف آنے کے لئے ایک آزمائش اور تیاری کا زمانہ تھا اور نہی صرف آزمائش کا پہلو رکھتی تھی۔

تورات سے معارف قرآن کا مقابلہ:

مندرجہ بالا آیات کے مطابق وجود آدم میں سب سے بڑا افتخار اور نکتہ قوت جس کی وجہ سے وہ مخلوق میں منتخب ہیں اور جس کی وجہ سے وہ مسجود ملائکہ ہیں وہی "علم الاسماء" سے آگاہی اور حقائق اسرار خلقت و جہان ہستی سے واقفیت ہے۔ یہ واضح ہے کہ آدم انہی علوم کے لئے پیدا کیے گئے تھے اور اولاد آدم اگر کمال حاصل کرنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ وہ علوم سے زیادہ استفادہ کرے۔

اولاد آدم میں سے ہر ایک کا کمال و تکامل اسرار خلقت کی آگاہی سے سیدھی نسبت رکھتا ہے۔ قرآن پوری صراحت سے آدم کے مقام کی عظمت ان چیزوں میں سمجھتا ہے لیکن توریت میں آدم کے بہشت سے باہر نکالے جانے کا جواز اور بہت بڑا گناہ بیان کیا گیا ہے وہ ان کی علم و دانش کی طرف توجہ اور نیک و بد جاننے کی خواہش ہے۔

تورات فصل دوم سفر تکوین میں ہے:

"پس خداوند عالم نے آدم کو خاکِ زمین سے صورت دی اور نسیم حیات ان کے دماغ میں پھونکی اور آدم زندہ جان ہو گئے اور خداوند نے ہر خوشنما درخت اور جو کھانے کے لئے اچھا تھا زمین سے اُگایا نیز شجر حیات کو وسطِ باغ میں لگایا اور نیک و بد جاننے کے درخت کو اور خداوند نے آدم کو حکم دیا اور کہا کہ باغ کے تمام درختوں سے تمہیں کھانے کا اختیار ہے لیکن "نیک و بد جاننے" کے درخت سے نہ کھانا جس دن تم اسے کھاؤ گے موت کے مستحق ہو جاؤ گے۔"

فصل سوم میں یوں آیا ہے:

"اور خداوند کی آواز کو سنا جو دن کو نسیم کے وقت باغ میں خراماں خراماں چلتے تھے آدم اور ان کی بیوی اپنے آپ کو خداوند کے حضور سے باغ کے درختوں کے درمیان چھپاتے تھے"

"اور خداوند نے آدم کو آواز دی۔ اُنسے کہا کہ تم کہاں ہو۔"

"انھوں نے جواب میں کہا کہ میں نے تیری آواز سنی اور میں ڈر گیا کیونکہ میں برہنہ ہوں اس وجہ سے چھپا بیٹھا ہوں"

"خدا نے ان سے کہا: تمھیں کس نے کہا کیا جس درخت سے تمہیں نہ کھانے کے لئے کہا تھا تم نے کچھ کھایا"

"آدم نے کہا جو عورت تو نے مجھے میرے ساتھ رہنے کے لئے دی ہے اس نے اس درخت سے مجھے دیا ہے جسے میں نے کھالیا ہے"۔

"اور خداوند نے کہا آدم تم تو "نیک و بد جاننے" کی وجہ سے چونکہ ہم میں سے ایک ہو گئے ہو، لہٰذا اب ایسا نہ ہو کہ اپنا ہاتھ دراز کرو اور "درخت حیات" سے بھی کچھ لے لو اور کھالو اور کھا کر ہمیشہ کے لئے زندہ رہو"۔

پس اس سبب سے خداوند نے باغ عدن سے نکال دیا تا کہ اس زمین میں جوان سے لے لی گئی تھی زراعت کریں"

جب تک انسان طاقت ور دشمن کے مقابلے میں کھڑا نہ ہو کبھی بھی اپنی قوت واستعداد اور مہارت کو پیش نہیں کرسکتا اور نہ اسے کام میں لاسکتا ہے یہی طاقت ور دشمن کا وجود انسان کے زیادہ تحرک اور جنبش کا سبب بنتا ہے۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا یہ تکلیف دہ افسانہ جو آج تورات میں ایک تاریخی حیثیت سے موجود ہے اس کے مطابق آدم کو بہشت سے نکلنے اور ان کے عظیم گناہ کی اصلی علت وسبب علم ودانش کی طرف ان کی توجہ اور نیک و بد سے آگاہی کے لئے ان کی تمنا ہے۔ چنانچہ "شجرۂ نیک و بد" کی طرف ہاتھ نہ پھیلاتے تو ابد تک جہالت میں باقی رہ جاتے یہاں تک وہ یہ بھی نہ جانتے کہ برہنہ ہونا قبیح اور ناپسندیدہ فعل ہے اور ہمیشہ کے لئے بہشت میں باقی رہ جاتے۔

اس لحاظ سے تو آدم کو اپنے کام پر پشیمان نہیں ہونا چاہیئے تھا کیونکہ ایسی جنت کو ہاتھ سے دینا جہاں رہنے کی شرط نیک و بد سے عدم آگاہی ہو، اس کے مقابلے میں علم و دانش حاصل کرنا نفع مند تجارت ہے اس تجارت کے بعد آدم کیوں حیران و پریشان ہوں۔

اس بناء پر تورات کا یہ افسانہ ٹھیک قرآن کے مدمقابل قرار پایا ہے جس کے نزدیک انسان کا مقام عظمت اور اس کی خلقت کا راز علم الاسماء سے آگاہی ہے۔

اس کے علاوہ مذکورہ افسانے میں خداوند عالم اور مخلوقات کے بارے میں عجیب و غریب باتیں بیان کی گئیں ہیں۔ مثلاً

(۱) خدا کی طرف جھوٹ کی نسبت۔۔۔ جیسے فصل دوم کا جملہ ۱۷:

"خداوند خدا نے کہا کہ اس درخت سے مت کھانا ورنہ مر جاؤ گے۔"

حالانکہ ان کو مرنا نہیں تھا بلکہ دانا و عقلمند ہونا تھا۔

(۲) خداوند عالم کی طرف بخل کی نسبت۔ جیسے فصل سوم کا جملہ ۲۲ جس کے مطابق خدا نہیں چاہتا تھا کہ آدم و حوا علم و حیات کے درخت سے کھائیں اور دانا و عقل مند ہو جائیں نیز ابدی زندگی حاصل کریں۔

(۳) خداوند عالم کے لئے شریک کے وجود کا امکان۔۔۔۔ جیسے یہ جملہ:

آدم شجرِ نیک و بد کھانے کے بعد ہم (خداؤں) میں سے ایک کی طرح ہو گئے ہو۔"

خدا کی طرف حسد کی نسبت۔۔ جیسے اس جملہ سے ظاہر ہے:

"خداوند عالم نے اس علم و دانش کی وجہ سے جو آدم میں پیدا ہو گئی تھی اس پر رشک و حسد کیا۔"

خداوند عالم کی طرف جسم کی نسبت۔۔ جیسے فصل سوم میں ہے۔

"خداوند صبح کے وقت بہشت کی سڑکوں پر خراماں خراماں چل رہا تھا"

خداوند عالم کی ان حوادث سے بے خبری جو اس کے قریب واقع ہوتے ہیں۔۔ جیسے جملہ ۹ میں ہے:

آواز دی اے آدم! کہاں ہو۔ انہوں نے درختوں کے درمیان اپنے آپ کو خداوند کی آنکھ سے چھپا رکھا تھا۔" (قرآن و آخرین پیامبرؐ ص ۱۲۷ تا ۱۳۲)

یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ یہ جھوٹے افسانے پہلے تورات میں نہ تھے بعد میں ملا دیئے گئے)

قرآن میں شیطان سے کیا مراد ہے:

لفظ "شیطان" مادہ "شطن" سے ہے اور "شاطن" کے معنی ہیں "خبیث و پست" اور شیطان وجود سرکش و متمرد کو کہا جاتا ہے چاہے وہ انسان ہو یا جن یا کوئی اور حرکت کرنے والی چیز۔ روح شریر اور حق سے دور کو بھی شیطان کہتے ہیں جو حقیقت میں ایک قدر مشترک رکھتے ہیں یہ بھی جاننا چاہیئے کہ شیطان اسم عام (اسم جنس) ہے جب کہ ابلیس اسم خاص (علم) ہے۔

دوسرے لفظوں میں شیطان ہر موذی، گمراہ، باغی اور سرکش کو کہتے ہیں وہ انسان ہو یا غیر انسان لیکن ابلیس اس شیطان کا نام ہے جس نے آدم کو ورغلایا تھا اور اس وقت بھی وہ اپنے لاؤلشکر کے ساتھ اولاد آدم کے شکار کے لئے کمین گاہ میں ہے۔

قرآن میں اس لفظ کے استعمال کے مواقع سے معلوم ہو جاتا ہے کہ شیطان موذی و مضر چیز کو کہتے ہیں۔ جو راہ راست سے ہٹ چکا ہو، جو دوسروں کو آزار پہنچانے کے درپے ہو، اختلاف اور تفرقہ پیدا کرنا جس کی کوشش ہو اور جو اختلاف و فساد کو ہوا دیتا ہو، جیسا قرآن میں ہے:

"انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء"

شیطان چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی، بغض اور کینہ پیدا کرے۔ (مائدہ:۹۱)

اگر ہم دیکھیں گے کہ لفظ "یرید" فعل مضارع کا صیغہ ہے اور استمرار اور تسلسل پر دلالت کرتا ہے تو اس سے یہ معنی بھی پیدا ہوتے ہیں کہ یہ شیطان کا ہمیشہ کا ارادہ ہے۔

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن میں لفظ شیطان کسی خاص موجود کے لئے نہیں بولا گیا بلکہ مفسد اور شریر انسانوں تک کو شیطان کہا گیا ہے جیسے: "وکذٰلک جعلنا لکل نبی عدوا شیطین الانس والجن" اسی طرح ہر نبی کے لئے ہم نے انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں کو دشمن قرار دیا ہے۔ (انعام:۱۱۲)

یہ جو ابلیس کو بھی شیطان کہا گیا ہے وہ اس کی شرارت اور فساد کے باعث ہے۔

اس کے علاوہ بعض اوقات لفظ شیطان جراثیم کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے مثلاً۔ حضرت

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"لاتشرب الماء من ثلمة الاناء ولا من عروته فان الشیطان یعقد علی العروة والثلمة"

برتن کے ٹوٹے ہوئے حصے اور دستے کی جگہ سے پانی نہ پیو کیونکہ دستے کی جگہ اور ٹوٹے ہوئے حصے پر شیطان بیٹھا ہوتا ہے۔ (کافی جلد ۶، کتاب الاطعمہ والاشربہ باب لاولی)

نیز امام صادقؑ فرماتے ہیں: "ولا یشرب من اذن الکوز ولا من کسرہ فان کان فیه فانه مشرب الشیاطین" دستے اور کوزے کے ٹوٹے ہوئے مقام سے پانی نہ پیو کیونکہ یہ شیطان کے پینے کی جگہ ہے۔ (گذشتہ حوالہ)

رسول اسلام کا ارشاد ہے: مونچھوں کے بال بڑے نہ رکھو کیونکہ شیطان اسے اپنی زندگی کے لئے جائے امن سمجھتا ہے اور اس میں چھپ کر بیٹھتا ہے۔ (گذشتہ حوالہ)

اس سے ظاہر ہوا کہ شیطان کے ایک معنی نقصان دہ اور مضر جراثیم بھی ہیں لیکن واضح ہے کہ مقصد یہ نہیں لفظ شیطان تمام مقامات پر اس معنی میں ہو بلکہ غرض یہ ہے کہ شیطان کے مختلف معانی ہیں۔ ان روشن و واضح مصادیق میں سے ایک ابلیس، اس کا لشکر اور اس کے اعوان و مددگار بھی ہیں اور اس کا دوسرا مصداق مفسد، حق سے منحرف کرنے والے انسان ہیں اور بعض اوقات اذیت دینے والے جراثیم کے لئے بھی یہ لفظ آیا ہے۔

> خدا نے شیطان کو شیطان نہیں پیدا کیا یہی وجہ ہے سالہا سال تک وہ ملائکہ کا ہم نشین رہا اور پاک فطرت پر رہا لیکن پھر اس نے اپنی آزادی سے غلط فائدہ اٹھایا اور بغاوت وسرکشی کی بنیاد رکھی۔

خدا نے شیطان کو کیوں پیدا کیا ہے:

بہت سے لوگ پوچھتے ہیں کہ شیطان جس کا کام ہی گمراہ کرنا ہے آخر اسے کیوں پیدا کیا گیا اور اس کے وجود کا فلسفہ کیا ہے۔ اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں۔

اول تو خدا نے شیطان کو شیطان نہیں پیدا کیا یہی وجہ ہے سالہا سال تک وہ ملائکہ کا ہم نشین رہا اور پاک فطرت پر رہا لیکن پھر اس نے اپنی آزادی سے غلط فائدہ اٹھایا اور بغاوت وسرکشی کی بنیاد رکھی لہٰذا وہ ابتداء میں پاک و پاکیزہ پیدا کیا گیا اس کی کجروی اس کی اپنی خواہش پر ہوئی۔

دوم یہ کہ نظام خلقت کو دیکھتے ہوئے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صاحبان ایمان اور وہ لوگ جو راہ حق پر گامزن رہنا چاہتے ہیں ان کے لئے نہ صرف یہ کہ شیطان کا وجود مضر اور نقصان دہ نہیں بلکہ ان کی پیش رفت اور تکامل کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ ترقی اور کمال ہمیشہ متضاد چیزوں کے درمیان ہی صورت پذیر ہوتے ہیں۔

زیادہ واضح الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب تک انسان طاقت ور دشمن کے مقابلے میں کھڑا نہ ہو کبھی بھی اپنی قوت واستعداد اور مہارت کو پیش نہیں کرسکتا اور نہ اسے کام میں لاسکتا ہے یہی طاقت ور دشمن کا وجود انسان کے زیادہ تحرک اور جنبش کا سبب بنتا ہے اور اس کے نتیجے میں اسے ترقی اور کمال نصیب ہوتا ہے

معاصرین میں سے ایک بہت بڑا فلسفی "ٹوآئن بی" کہتا ہے:

"دنیا میں کوئی روشن تمدن اس وقت تک پیدا نہیں ہوا جب تک کوئی ملت کسی خارجی طاقت کے حملے کا شکار نہیں ہوئی۔ اس حملے اور یلغار کے مقابلے میں وہ اپنی مہارت اور استعداد کو بروئے کار لائی اور پھر کسی درخشاں تمدن کی داغ بیل پڑی۔"

★★★★★

مومن کی پانچ علامتیں

طاؤس یمانی نے امام زین العابدینؑ سے سوال کیا: فرزند رسول! وہ پانچ علامتیں کون کون ہیں؟ امام نے فرمایا: خلوت میں تقویٰ اختیار کرنا، کم مال کے باوجود بھی صدقہ دینا، مصیبت کے وقت صبر کرنا، غصہ کے وقت حلم اختیار کرنا اور خوف کے وقت صدقہ دینا۔ (الخصال، صفحہ ۳۰۳)

صحیفہ سجادیہ کی اہمیت

رہبر معظم آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی

میری آپ تمام عزیزوں سے درخواست ہے کہ صحیفہ سجادیہ سے مانوس رہیے، صحیفہ سجادیہ کی پانچویں دعا کو بار بار پڑھیے، یہ عظیم کتاب اور اسکی دعائیں ہمارے لئے ہی ہیں، اسکے وہ موارد جو ہمیں موت کی یاد دلاتے رہتے ہیں، وہ موارد جو ہمیں لغزش کے مقامات سے روکتے ہیں، وہ موارد جو خداوند عالم کے عظیم معنوی لائحہ عمل کو انبیاء اور ملائکہ کی شکل میں ہمارے سامنے بیان کرتے ہیں، یہ سارے موارد ہمیں قوی اور مستحکم بنانے میں مفید اور موثر ہیں، زندگی کے ہر میدان میں باطنی قوت اور استحکام ہی ہماری فتح وظفر کی ضامن ہے، اگر باطن اور معنویت قوی اور مستحکم ہو خواہ وہ باطن شخصی ہو یا اجتماعی دنیا کی کوئی بھی طاقت انسانی ہو یا شیطانی اسکے مقابلہ میں مقاومت نہیں کرسکتی، یہ میری پہلی نصیحت آپ لوگوں کے لئے ہے۔

صحیفہ سجادیہ، علم النفس ہے

یہ ایسی عظیم کتاب ہے جسکو زبور آل محمد بھی کہا جاتا ہے، اور حقیقت میں ایسا ہی ہے۔ یہ عظیم کتاب جہاں باطنی اور معنوی آہنگ اور نغموں سے گفتگو کرتی ہے وہیں دعا، درس اخلاق، سماجی معاملات اور آداب معاشرت کو بھی گفتگو کا محور قرار دیتی ہے، چنانچہ آپ اس فقرہ کو ملاحظہ فرمائیں: ”اللھم انی اعوذبک من ھیجان الحرص و سورۃ الغضب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔و الحاح الشھوۃ“ یعنی

ایک ایک معنوی خصوصیات اور اخلاقی مبانی اور فتنہ فساد اور اخلاقی برائیوں کی جڑوں جنکا منبع ہمارا نفس ہوتا ہے اسکو دعا کی شکل میں امام زین العابدینؑ نے ہمارے لئے واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔

آپ کو ان معنوی امراض کا علاج بھی خدا سے طلب کرنا چاہیے، وہ ساری چیزیں جنکو ہم خدا سے طلب کرتے ہیں ان میں سے ایک باطنی امراض کا علاج بھی ہونا چاہیے، چونکہ جس سماج اور معاشرہ میں یہ خصوصیات پائی جائینگی اس میں دشمن کی کسی طرح کی کوئی بھی چال کامیاب نہیں ہوسکتی۔

صحیفہ سجادیہ میں تقویٰ کے طول وعرض

اکثر جب بھی تقویٰ کہا جاتا ہے پرہیزگاری اور واجبات کی انجام دہی اور حرام کاموں سے دوری ذہن میں آتی ہے؛ مثلا نماز پڑھنا چاہیے، رقوم شرعی کو وقت پر دینا چاہیے، روزہ رکھنا چاہیے، جھوٹ نہیں بولنا چاہیے، ان سب کی رعایت ضروری ہیں لیکن تقویٰ فقط اسی کا نام نہیں ہے بلکہ اسکے اور بھی طول وعرض ہیں جن سے اکثر ہم غافل رہتے ہیں۔ امام زین العابدینؑ نے مکارم الاخلاق نامی دعا میں تقویٰ کے طول وعرض کو بیان کیا ہے، آپ فرماتے ہیں: "اللھم صل علیٰ محمد و آلہ و حلنی بحلیۃ الصالحین و البسنی زینۃ المتقین" آپؑ خداوند عالم سے اس طرح دعا کرتے ہیں کہ خدایا ہمیں صالح افراد کے زیور سے مزین اور متقین اور پرہیزگاروں کے لباس سے آراستہ فرما۔ تو یہ کون سا لباس پرہیزگاروں کا لباس ہے؟ اس کی وضاحت میں یہ متعدد تعبیریں غور طلب ہیں: "فی بسط العدل" متقین کا لباس عدالت کی گسترش اور وسعت ہے "و کظم الغیظ" غصہ پر کنٹرول رکھنا ہے "و اطفاء النائرۃ" یعنی سماج اور معاشرہ میں لگی ہوئی آگ کو بجھانا ہے "و ضم اھل الفرقۃ" تمھارے اپنے افراد جو کسی وجہ سے تم سے جدا ہو گئے ان کو دوبارہ اپنے سے ملحق کرنا، یہ موارد تقویٰ کے طول اور عرض ہیں جو صحیفہ سجادیہ کی بیسویں دعا یعنی مکارم الاخلاق میں بیان ہوئے ہیں۔

یہ بہت اہم دعا ہے اور میرا ماننا یہ ہے کہ ہر انسان کو خاص کر حکومتی ملازمین کو یہ دعا ضرور پڑھنا چاہیے اور اس کے عمیق مطالب میں غور وفکر کرنا چاہیے اور اس اہم نکتہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ "و اصلاح ذات البین" یعنی آپس میں آگ لگانے اور ایک دوسرے کی کھنچائی سے بہتر ہے کہ مومنین کے درمیان اتحاد اور یکجہتی ایجاد کی جائے، اور اسی کو تقویٰ اور پرہیزگاری کہا جاتا ہے۔

اصلاح کا مرکز خود اپنی ذات

اگر اسلامی جمہوریت کے مقدس نظام کے استحکام، استقلال اور اسکی طاقت وقدرت نے ہم کو مطمئن کر دیا اور یہ سرافرازی ہماری غفلت اور غرور کا سبب بن گئی تو یہی خطرہ بن کر سامنے آئیگی، اسی لئے دائمی بیداری کی ضرورت ہے، اور یہ باطن کی اصلاح کے ذریعہ ہی ممکن ہے، کیونکہ دائمی اصلاح ہمارے وظائف کا اہم جزء ہے۔ اور اصلاح کا مرکز اپنی ذات ہونا چاہیے، مثلا میں سب سے پہلے اپنی ذات سے شروع کروں، اسی طرح ہر انسان اپنے نفس کی اصلاح سے اس مہم کا آغاز کرے۔ سب سے پہلے ہمیں خدا کے ساتھ رابطہ کی اصلاح کریں، اور جن امور کے بارے میں خداوند عالم ہم سے سوال کرے گا اسکے بارے میں غور وفکر کریں: "واستعملنی بما تسئلنی غدا عنه" یہ ان موارد میں سے ہے جو ہمیشہ ہمارے ذہن میں رہنا چاہیے۔

میرے کہنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ جب اپنی مکمل اصلاح ہو جائے تب سماج اور معاشرہ کی اصلاح کریں، بلکہ جیسے ہی اپنی اصلاح کا آغاز کریں گے معاشرہ کی اصلاح خود بہ خود آسان ہو جائیگی۔

غرور اور خود بینی کی قید سے باہر نکلیں

نفسانی خواہشات اور غرور ونخوت کی قید سے رہائی ہر انسان کا وظیفہ ہے، ہمیں دوسروں کی آنکھوں سے اپنے آپ کو دیکھنا چاہیے، اور اس تبدیلی کی ہم سب کو ضرورت ہے۔ انسانی فطرت نقائص اور خامیوں سے دوچار ہے، کیسے ہم ان نقائص کو اسی وقت برطرف کر سکیں گے جب انکی طرف متوجہ ہوں، انکو پہچانیں اور قبول کریں کہ ہم میں نقائص موجود ہیں، اگر اپنی ذات کو مطلق اور مستقل سمجھیں گے تو اسکا لازمہ غرور اور خود پسندی ہوگا، علاج اسی وقت ممکن ہے جب اپنے نقائص اور خامیوں کی طرف متوجہ ہوں۔

اگر آپ کاروان آدمیت وبشریت کے رہنما یعنی انبیاء اور ائمہ علیھم السلام کی زندگی میں غور کریں تو آپ ملاحظہ کریں گے کہ وہ مقدس ذاتیں ہمیشہ اپنی گفتگو اور طرز عمل کے ذریعہ ہمارے نفس کی سرکشی اور طغیانی کی طرف متوجہ کرتے رہتے تھے، نفس ہمارے وجود کے سب سے پست نقطہ کا نام

ہے، ایک ایسا نقطہ جو ہمیشہ ہمارے وجود کو شہوت کی نا محدود وادیوں میں ڈھکیلتا رہتا ہے، ہمارے ضعف اور نقائص کا منبع بھی یہی ہے، لہذا انسان اپنا جائزہ لیتا رہے تا کہ ان نقائص کو پہچان سکے۔

اگر آپ مرکز نورانیت، معدن کمال ومعنویت اور تمام دنیا کے عابدوں کی زینت یعنی امام زین العابدینؑ کی صحیفہ سجادیہ کی دعائوں کو ملاحظہ کریں تو آپ کو نظر آئے گا کہ آپ کس طرح پروردگار کی بارگاہ میں پیش ہو کر استغاثہ کرتے تھے، کس طرح نصف شب اور نماز شب کے بعد خدا سے راز و نیاز کرتے تھے (اور یہ کسی معمولی انسان کی نماز شب نہیں بلکہ پوری کائنات کے عابدوں کی زینت امام سجادؑ کی نماز شب) آپ خدا سے مخاطب ہو کر اس طرح فرماتے "وھذا مقام من استجبی لنفسه منک وسخط علیها ورضی عنک" اے پروردگار میں اپنے نفس اور اپنے نقائص اور کمزوریوں کے باعث تجھ سے شرمندہ ہوں، اپنے نفس سے ناراض اور تجھ سے راضی ہوں، اور پھر فرماتے ہیں: "فتلقیک بنفس خاشعة ورقبة خاضعة" اپنا جائزہ لینے کا مطلب یہی ہے کہ انسان آسمان کمال اور عروج آدمیت تک مرحلہ بہ مرحلہ پہونچتا رہے، اگر بلند مرتبہ انسان نظر آتے ہیں اور آپ انکی معنویت اور باطنی کمال کو ملاحظہ کرتے ہیں تو ان سب کا راز یہ ہے کہ اس نے اپنے نقائص اور خامیوں کو ہمیشہ مد نظر رکھا ہے اس انسان کے برخلاف جس نے ساری خامیوں سے چشم پوشی کر کے اپنے آپ کو غرور اور تکبر کی نذر کرتے ہوئے نور کی اس معمولی کرن جو ہر وجود انسانیت میں پائی جاتی ہے اسی پر اکتفاء کر لیا ہے۔ بعض افراد اپنی حیات میں مختصر اور معمولی خیر پر ہی راضی ہو جاتے ہیں، ایسے افراد کسی کمال تک نہیں پہونچ سکتے۔

سماج اور معاشرہ کا بھی حال ایسا ہی ہے، پہلے یہ دیکھیں کہ کس چیز کی ضرورت ہے، اسلئے کہ جس دن سے بھی سماج اور معاشرہ اپنے ضعف اور خامیوں کی طرف متوجہ ہو گیا اور خود اعتمادی پیدا کر لی اسی دن سے وہ ترقی اور کمال کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔

ظلم برداشت نہیں

زمانہ جانتا ہے کہ اسلامی جمہوریت، اسلامی قوانین کی پابندی کرتے ہوئے کبھی ظلم کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی انسان اسلام کو قبول کرتے ہوئے ذرہ برابر بھی اسکا پابند ہو، وہ کبھی ظلم کو

برداشت نہیں کرسکتا، دین مبین اسلام میں جتنی ظلم کرنے کی مذمت ہے اتنی ظلم برداشت کرنے کی بھی ہے، اس بات کو بھی امام سجادؑ نے دعائے مکارم الاخلاق میں بیان فرمایا ہے: "ولا اظلمن وانت مطیق للدفع عنی ولا اظلمن وانت قادر علی القبض منی" اور خداوند عالم نے قرآن کریم میں فرمایا: "لا تظلمون ولا تظلمون" یعنی نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ ہی ظلم برداشت کرو، کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی مسلمان ہو اور کسی کے ظلم کو برداشت کرے؟

علامہ طنطاوی کے تاثرات

میں نے اس کتاب کو غور سے دیکھا اور اس کے مندرجات پر گہری نظر ڈالی تو مجھ پر ایک ہیبت طاری ہوگئی اور ان دعاؤں کی عظمت میرے دل میں جاگزین ہوگئی اور میں نے کہا کہ یہ عجیب بات ہے، کیونکر مسلمان اب تک اس ذخیرہ سے ناواقف رہے اور کس طرح وہ صدیوں اور پھر صدیوں تک خوابِ غفلت میں مبتلا رہے اور انھیں احساس نہ ہوا کہ اتنا بڑا علمی ذخیرہ خدا نے ان کے لئے مہیا کر رکھا ہے۔ اگر وہ ان خزانوں کو کھول کر دیکھیں اور ان اسرار و رموز پر مطلع ہوں تو سمجھیں کہ سنی اور شیعہ فرقے دونوں خواہ مخواہ کے لئے افتراقِ باہمی میں مبتلا ہیں اور باہمی عداوت کے نشہ میں سرشار ہیں۔

خداوند، یہ تیری کتاب موجود ہے قرآن، اور یہ اہل بیتؑ میں سے ایک بزرگ ہستی کے ارشادات ہیں۔ یہ دونوں کلام۔ وہ آسمان سے نازل شدہ کلام اور یہ اہلبیتؑ کے صیقین میں سے ایک صدیق کی زبان سے نکلا ہوا کلام دونوں بالکل متفق ہیں۔ اب میں بلند آواز سے پکارتا ہوں ہندوستان میں اور تمام اسلامی ممالک میں اے فرزندان اسلام، اے اہل سنت، اے اہل تشیع، کیا اب بھی وقت نہیں آیا ہے کہ تم قرآن اور اہل بیتؑ کے مواعظ سے سبق حاصل کرو۔ یہ دونوں تم کو بلا رہے ہیں ان علوم کے حاصل کرنے کی طرف جن سے عجائبِ قدرت منکشف ہوتے ہیں اور خدا کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

پہلے ان علوم کو حاصل کرو۔ انہی کے حاصل کرنے کا تمہیں قرآن اور پیشوایان مذہب کے ارشادات میں حکم ملا ہے۔ جب تم ان میں کامل ہوجانا تو پھر دوسرے امور کی طرف متوجہ ہونا۔

تفرقہ انگیز مباحث سے باز آؤ اور ان ہدایات پر عمل کرو۔ ان علوم سے استفادہ کرو اور سورج کے نیچے زمین کے اوپر اپنے زندہ رہنے کا سامان کرو۔

امام زین العابدینؑ بارگاہِ معبود میں!

شارح صحیفہ سجادیہ علامہ ذیشان حیدر جوادی طاب ثراہ

دعا کرنا بظاہر انتہائی آسان ہے اور واقعاً انتہائی مشکل ہے۔ دنیا کا کون سا انسان ہے جو محتاج نہیں ہے، اور کون سا محتاج ہے جو کسی سے طلب نہیں کرتا ہے، درحقیقت اسی طلب کا نام دعا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جو ناواقف اسرار طلب ہیں وہ محتاجوں سے مانگتے ہیں۔ اور جنہیں طلب کا سلیقہ میسر آتا ہے وہ بے نیاز سے مانگتے ہیں۔ محتاجوں سے مانگنے کا نام خوشامد، تملق، تعریف بے جا، تواضع بے محل اور استدعا التماس ہے۔ اور بے نیاز سے مانگنے کا نام دعا ہے۔ بے نیاز نے خود کسی کو اپنا نمائندہ بنا دیا ہے تو اس سے مانگنا مذکورہ بالا عناوین سے خارج ہے کہ یہ درحقیقت بے نیاز ہی سے طلب کرتا ہے اور مانگنے والا جانتا ہے کہ یہ افراد اس کے مقابلہ میں حاجت روائی کے دعوے دار نہیں ہیں بلکہ اس کی نمائندگی میں حاجت روائی کا کام انجام دیتے ہیں اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ اگر ایک فرشتہ اس کی طرف سے جان لینے پر مامور ہوسکتا ہے تو ایک بندہ جان دینے پر بھی مامور ہوسکتا ہے۔ اس امکان سے کوئی صاحبِ عقل انکار نہیں کرسکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس قسم کے واقعات کی دنیا الگ ہے اور اس پر بحث کرنے کے لئے بڑی تفصیل درکار ہے۔

دعا کے لئے جس قدر آداب درکار ہیں، جو پاکیزگی، نفس ضروری ہے اور جس طرح کے تصوّرات لازم ہیں ان کا حاصل کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ

ہے کہ دعا، مرکز دعا کی معرفت پر موقوف ہے، اور معرفت زندگی کا عظیم ترین مرحلہ ہے جسے مولائے کائنات نے ابتداء دین اور بنیاد مذہب قرار دیا تھا۔ معرفت کے بعد بارگاہ کے مطابق الفاظ کا انتخاب کرنا اس سے سخت ترین مرحلہ ہے اور ان تمام مراحل کے بعد طلب میں صدقِ نیت پیدا کرنا اور ایک انتہائی دشوار گزار مرحلہ ہے۔ ورنہ عام طور سے ایسا ہوتا ہے کہ مانگنے والا، بظاہر خدا کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے رہتا ہے لیکن نظر کسی حاکم کے اقتدار، کسی دولت مند کی جیب، کسی صاحب خیرات کے جود و کرم پر لگی رہتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس دعا کا نام دعا نہیں ہے اور گہرائیوں پر غور کیا جائے تو یہ توہین دعا ہے۔ دعا معبود پر اعتماد کا نام ہے۔ اور دوسروں پر نگاہ رکھنا بداعتمادی کی علامت ہے۔ بعض روایات میں تو یہ مضمون تک وارد ہوا ہے کہ اگر کسی شخص کو دعا کی قبولیت پر اعتماد نہ ہو اور وہ صرف حسبِ عادت یا برائے تجربہ دعا مانگ رہا ہے تو وہ معبود کی توہین کا مرتکب ہو رہا ہے۔ دنیا کے کسی صاحبِ کرم کے بارے میں بے اعتمادی اس کے رکم کی توہین ہے تو معبود کے کرم کے بارے میں بے اعتمادی کتنی بڑی توہین کا باعث ہوگی۔ اور تجربہ تو اصلاً حدودِ اسلام سے باہر ہے۔ بھلا کس بندہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ پروردگار سے مانگ کر اس کے کرم کی آزمائش کرے اور یہ دیکھے کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔ ''تماشائے اہلِ کرم'' دنیا میں دیکھا جاتا ہے۔ مذہب میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض علماء کرام نے یہ تاکید کی ہے کہ اپنی دعاؤں میں ائمہ معصومینؑ کے الفاظ کا اتباع کرو اور اس کی معنویت پیدا کرنے کی کوشش کرو کہ تمہارے الفاظ اس کی بارگاہ کے لئے نامناسب ہو سکتے ہیں لیکن ان کے الفاظ میں یہ نقص نہیں ہے۔ وہ کامل الایمان اور کامل المعرفۃ تھے۔ وہ جو الفاظ استعمال کر دیں گے وہ یقیناً بارگاہ کے شایانِ شان ہوں گے اور اس سے مدّعا کے حصول کی راہ ہموار ہوگی بلکہ انہیں الفاظ سے انسان اپنے اندر سلیقۂ معرفت بھی پیدا کر سکتا ہے۔

واضح الفاظ میں یوں کہا جائے کہ ہماری دعائیں نتیجۂ معرفت ہیں اور معصومینؑ کی دعائیں درسِ معرفت۔ ہم وہ الفاظ استعمال کرتے ہیں جو ہماری معرفت کا نتیجہ ہوتے ہیں اور انہوں نے وہ الفاظ استعمال کئے ہیں جن سے ہم معرفتِ باری کی راہیں متعین کر سکتے ہیں۔ ''یا من دل علیٰ ذاتہ بذاتہ'' اے وہ معبود جس نے خود اپنی ذات کی طرف رہنمائی کی ہے کہ وہ خود ہی راہنما بھی ہے اور

منزل بھی۔

یہ جملہ معرفت کا ایک سمندر ہے کہ اگر دعا میں یہ فقرہ نہ آ گیا ہوتا تو انسان کے سامنے معرفت کا صرف ایک ہی راستہ تھا کہ مخلوقات سے خالق کو پہچانے اور کائنات کی عظمت سے مالکِ کائنات کی بزرگی و برتری کا اندازہ لگائے لیکن امام کے اس فقرہ نے معرفت کا ایک نیا راستہ کھول دیا ہے اور یہ واضح کر دیا ہے کہ مخلوقات میں خالق کو پہچنوانے کی وہ صلاحیت نہیں ہے جو معرفت خود خالق کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ مرتبہ ہر ایک کو حاصل نہیں ہے۔ اس کی طرف اشارہ دعائے صباح میں مولائے کائنات نے کیا تھا اور اس کے بعد اس کی مکمل تشریح دعائے ابوحمزہ ثمالی میں امام زین العابدینؑ نے کی ہے، سرکار سید الشہداء نے دعائے عرفہ میں اسی حقیقت کی طرف بہت سے اشارے فرمائے اور معرفت کے بیشمار راستے کھول دیئے ہیں۔

دعاؤں کے سلسلہ میں معصومینؑ کے الفاظ وکلمات کی تعریف کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ بھلا کس کی مجال ہے جو ان لفظوں کی بلاغت کا اندازہ کر سکے اور اس کے بعد یہ کہے کہ یہ الفاظ اس معرفت کی مکمل ترجمانی کر رہے ہیں یا معبود کی بارگاہ کے شایانِ شان ہیں۔ صاحبانِ بصیرت کے بیان کے مطابق صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اس میدان میں جس قدر راہنمائی امام زین العابدینؑ نے کی ہے اور دعا کو جس قدر آپ نے درس وتبلیغ کا ذریعہ بنایا ہے دیگر معصومینؑ کے یہاں اس کی مثالیں نہیں ملتی ہیں اور غالباً اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دوسرے معصومینؑ کو دوسرے ذرائع بھی فراہم ہو گئے تھے اور انہوں نے ان ذرائع کو بھی درس بصیرت اور تبلیغ دین ومذہب کا ذریعہ بنا لیا تھا، یا بعض اوقات انہیں اتنا موقع بھی نہ مل سکا کہ دعاؤں کے ذریعہ اس کارنامہ کو انجام دے سکتے۔

امام زین العابدینؑ کا زمانہ واقعہ کربلا کے بعد ایک انتہائی حساس اور دشوار گزار دور تھا۔ اس دور میں سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ کسی طرح کا مسلح اقدام ممکن نہیں تھا اور ایک عظیم اقدام کا اثر نظر کے سامنے تھا۔ یعنی مذہب نے اپنی زندگی کے لئے خون کا مطالبہ کیا تھا اور وہ مطالبہ پورا کیا جا چکا تھا۔ انقلابی تحریک کے لئے وہ مقدّس خون ہی کافی تھا اس کے لئے مزید قربانی کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن امام کے لئے خاموش بیٹھنا بھی ممکن نہیں تھا کہ امام ہدایت خلق کا ذمہ دار ہوتا ہے اس لئے آپ نے

تصویر کے دوسرے رخ پر نظر ڈالی کہ یہ صحیح ہے کہ میرا قیام غیر ضروری ہے اور اسلام کو فی الحال میرے خون کی ضرورت نہیں ہے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ اس وقت مظلومیت کے نام پر قوم گوش بر آواز ہے اور الفاظ کی اتنی سخت گرفت ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ انہیں الفاظ کے ذریعہ مذہب کی تبلیغ بھی کی جائے اور مظلومیت کی ترویج کا کام بھی انجام دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام بہ شکل خطبہ ممکن نہیں تھا کہ خطبہ میں مسلّح اقدام کے اعتراض کے امکانات پائے جاتے تھے اور ایک خونی سانحہ ممکن تھا جس کی اس وقت مشیت پروردگار کو ضرورت نہیں تھی اس لئے آپ نے دعاؤں کا راستہ اختیار کیا اور نہیں دعاؤں کے ذریعہ تمام مراحل تبلیغ و ترویج مکمل کر لئے۔

آپ کے الفاظ اس قدر جامع، موثر اور مطابق مقصد و مدّعا تھے کہ صاحبان حاجت آپ کی دعاؤں مکمل اعتماد کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کے ایک شاگرد نے آپ کی ایک دعا کے بارے میں یہاں تک کہہ دیا کہ اس دعا کے ذریعہ مدّعا حاصل نہ ہو تو دعا کرنے والے کو مجھ پر لعنت کرنے کا حق ہے۔ یعنی یہ دعا بارہا کی آزمائی ہوئی ہے اور جب بھی اس کے سہارے مدعا طلب کیا گیا ہے ضرور حاصل ہوا ہے۔ اب انسان کا فرض ہے کہ ان پاکیزہ الفاظ کے لئے پاکیزہ زبان اور پاکیزہ قلب فراہم کرے تاکہ اس کے اثرات و نتائج سے بہرہ یاب ہو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ امامؑ کی اس دعا کا لہجہ، اسلوب اور انداز اس قسم کا ہے کہ دعا کرنے والے کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا مدّعا ضرور حاصل ہوگا۔

''خدایا! میں تجھے کیسے پکاروں کہ میری حیثیت معلوم ہے (میں میں ہوں) اور تجھ سے کس طرح امیدیں منقطع کروں کہ تیرا کرم بھی معلوم ہے کہ تو تو ہے۔ خدایا! میں تجھ سے سوال نہیں بھی کرتا ہوں تو تو عطا کرتا ہے۔ بھلا ایسا کون ہے جس سے سوال کروں تب ہی عطا کر دے۔ خدایا! تجھے نہیں بھی پکارتا ہوں تو تو دعائیں قبول کر لیتا ہے۔ اب تیرے علاوہ کون ہے جو مانگنے ہی پر دیدے۔ خدایا! تجھ سے تضرع و زاری نہیں بھی پکارتا ہوں تو تو دعائیں قبول کر لیتا ہے۔ اب تیرے علاوہ کون ہے جو مانگنے ہی پر دیدے۔ خدایا! تجھ سے تضرع و زاری نہیں بھی کرتا ہوں تو تو رحم کرتا ہے، اب تیرے علاوہ کون ہے جو کم از کم تضرع و زاری ہی پر رحم کر دے۔ خدایا! جس طرح تو نے سمندر میں راستہ بنا کر موسیٰؑ کو نجات دی ہے۔ میری التماس یہ ہے کہ محمدؐ و آل محمدؐ پر رحمتیں نازل فرما اور مجھے بھی میری پریشانیوں سے

نجات دیدے اور میرے لئے فی الفور سہولت و آسانی کا راستہ کھول دے۔۔اے ارحم الراحمین! تجھے تیرے فضل و کرم کا واسطہ!

ان الفاظ سے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ انسان اس اخلاص وصدق نیت کے ساتھ دعا کرے اور اپنے دل میں واقعاً یہ جذبات پیدا کرلے اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہوکر ہر فرعونِ وقت کے مقابلہ میں غریب الوطن موسیٰؑ کی طرح صرف ذاتِ واجب پر بھروسہ کرلے تو کس طرح ممکن ہے کہ سمندروں میں سے راستہ نکل آئے اور فرعون جیسے ظالموں سے نجات نہ مل جائے اور وہ ظالم غرقاب نہ ہوجائیں۔

آج جب کہ بر و بحر مصائب کا مرکز بنے ہوئے ہیں اور سمندر سرچشمۂ رحمت ہونے کے بجائے سرچشمۂ آلام و مصائب بن گئے ہیں ان دعاؤں، ان الفاظ ان کلمات اور ان معارف و جذبات کی شدید ترین ضرورت ہے۔ربِ کریم ہم سب کو اس اندازِ دعا سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری دعاؤں کو شرف قبولیت سے مشرف کرے جن میں سب سے اہم دعا وارث زین العابدینؑ کے ظہور اور قبر زین العابدینؑ کی آبادی کی دعا ہے۔خدایا! حجت آخر کے ظہور میں تعجیل فرما اور بقیع کے ویران قبرستان کو آباد فرما۔!

صحیفۂ کاملہ

صحیفۂ کاملہ امام سجاد علیہ السلام کی دعاؤں کا مجموعہ ہے جس کے مطالعہ سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ آپ کی دعاؤں کا فلسفہ وہ نہیں تھا جو ہمارے یہاں کی دعاؤں کا ہوا کرتا ہے کہ انسان غرض کے موقع پر ہاتھ پھیلا کر معبود سے کچھ زندگانی دنیا کا سامان طلب کرلے اور پھر کام نکل جانے کے بعد مصلیٰ لپیٹ دے یا دست دعا گرالے۔ بلکہ آپ اپنی دعاؤں کو عرض مدعا سے زیادہ عرض بندگی کا ذریعہ قرار دیتے تھے کہ فلسفہ دعا دراصل غرض برآری نہیں ہے۔ بلکہ وہ احساسِ عظمتِ ربوبیت اور ذلّتِ عبودیت کے مجموعہ کا نام ہے کہ جب تک انسان میں مالک کی عظمت اور اپنی کمزوری کا مکمل احساس نہ پیدا ہو، اس کی دعا، دعا کہے جانے کے قابل نہیں ہے۔

اور جب یہ احساس پیدا ہوجائے گا تو انسان سراپا دعا بن جائے گا کہ کسی وقت بھی نہ مالک کی

عظمت کمزوری میں تبدیل ہوسکتی ہے اور نہ اپنی کمزوری بے نیازی میں تبدیل ہوسکتی ہے۔قرآن مجید نے اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر تمہاری دعائیں نہ ہوتیں تو پروردگار تمہاری طرف توجہ بھی نہ کرتا۔اور روایات میں اسی اعتبار سے دعا کو ''مغز عبادت'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

امام سجادؑ کی دعاؤں میں ایک نکتہ یہ بھی پایا جاتا ہے کہ آپ نے دعا کو صاحبانِ ایمان کے لئے تعمیر کردار اور ظالمین کے خلاف احتجاج کا بہترین ذریعہ قرار دیا ہے اور اپنی دعاؤں کے ذریعہ ان مطالب کا اعلان فرمادیا ہے جن کا اعلان دوسرے انداز سے ممکن نہیں تھا۔ یا واضح لفظوں میں یوں کہا جائے کہ جو کام امیر المومنینؑ نے اپنے خطبوں سے لیا ہے وہ کام امام سجادؑ نے اپنی دعاؤں سے لیا ہے، اور اس طرح واضح کردیا ہے کہ علیؑ کا کام پیغام الٰہی کا پہنچا دینا اور ظلم کے خلاف احتجاج کرنا ہے اور بس۔حالات سازگار ہوجاتے ہیں اور مخاطب مل جاتے ہیں تو یہ کام انکی طرف رخ کرکے خطبہ کی شکل میں انجام دیا جاتا ہے اور حالات نامساعد ہوجاتے ہیں اور زمانہ منھ موڑ لیتا ہے تو اس سے منھ پھیر کر مالکِ کائنات کو مخاطب بنا کر اس سے حالات کی فریاد کی جاتی ہے اور اس طرح حالات کی تنقید کو دعاؤں کی شکل میں ایک دستاویز بنا کر محفوظ کردیا جاتا ہے، جیسا کہ آپ کی دعائے روز جمعہ یا اور دیگر دعاؤں سے مکمل طور پر واضح ہوجاتا ہے۔

★★★★★

صحیفہ سجادیہ

صحیفہ سجادیہ کو صحیفہ کاملہ اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ فرقہ زیدیہ کے پاس صحیفہ سجادیہ کا ایک ناقص اور نامکمل نسخہ موجود ہے اور جو نسخہ شیعہ امامیہ اثنا عشری کے پاس موجود ہے وہ اس کی نسبت کامل ہے۔اور اس گرانبہا کتاب کو زبور کا نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ زبور حضرت داود علیہ السلام کی کتاب تھی جس میں دعائیں اور مناجات تھیں چونکہ صحیفہ سجادیہ بھی دعاوں اور مناجات کا مجموعہ ہے اس لئے اسے زبور آل محمد کا نام دیا گیا ہے۔انجیل حضرت عیسی علیہ السلام کی آسمانی کتاب کا نام ہے جس میں حضرت عیسی کے مواعظ موجود ہیں چونکہ صحیفہ سجادیہ کے دعاوں میں بھی حضرت امام این العابدین علیہ السلام کے مواعظ موجود ہیں اس لئے اسے انجیل اہلبیت علیہ السلام کا نام دیا گیا ہے۔

تجلیات امام زین العابدینؑ

عالیجناب مولانا حسن عباس فطرت صاحب

ہمارے چوتھے امام حضرت علی بن الحسین زین العابدین علیہما السلام کی عظیم شخصیت کے کئی پہلو ایسے ہیں جو بہت نمایاں اور حیرت انگیز ہیں ان ہی میں سے ایک عابد بیمار یا بیمار کربلا کا لقب بھی ہے اگرچہ روز عاشورہ مصلحت پروردگار کے تحت آپؑ تپ ولرزہ میں یوں مبتلا تھے کہ غش پر غش آتے تھے جبکہ ہمارے عقائد ومسلمات کے مطابق انبیا وائمہ طاہرین کو غش نہیں آسکتا۔

صاف ظاہر ہے کہ کسی خاص مصلحت سے پروردگار عالم نے آپؑ کو ایک دن کے لئے سخت بیمار بنادیا تھا لیکن جیسے ہی آپؑ کی امامت کی گھڑی آئی تمام امراض وضعف کافور ہوگیا آپؑ نے شام غریباں کے پرہول وسخت ماحول میں ساری رات حمد وشکر الٰہی میں گزاری جو اہلبیت کا شعار وورثہ تھا مگر اس موقع پر یہ غیر معمولی عمل تھا اس کے بعد اہل حرم کے قافلہ کی پورے ثبات قدم اور صبر وضبط کے ساتھ ساربانی کرتے رہے۔ ایسا ستم زدہ قافلہ جسے دیکھ کر تماشائی چیخ پڑے اور سروسینہ پیٹنے لگتے تھے عاشور کے بعد کے تمام ہولناک ودردانگیز منازل سے گزرے۔ بیشک بشری تقاضوں کے مطابق کہیں کہیں آپؑ بے حد ملول ہوئے۔ چہرے کا رنگ اڑ گیا جناب زینب نے سنبھالا مگر آپؑ کو نہ غش آیا نہ کہیں گرے یا بیٹھ گئے۔ حالانکہ درمیان راہ کوفہ وشام میں اشقیاء کا ظلم وستم جاری رہا۔

یہ معمولی بات نہیں ہے کہ پورے کارواں میں پیاس کا غلبہ اور اس کی جستجو وکاوش کی روایات صرف بی بی سکینہؑ کے بارے میں ملتی ہیں اور کسی کا نام نہیں آتا۔ اللہ رے صبر وثبات کہ راہ کوفہ وشام

میں ظالموں نے اہلبیتؑ کو ایک لمحہ بھی سایہ میں بیٹھنے نہیں دیا اور امام زین العابدینؑ تو طوق وسلاسل میں بھی گرفتار تھے۔

آپؑ کی سیرت کا ایک اہم رخ یہ ہے کہ سید الساجدین وزین العابدینؑ کا لقب آپؑ کو واقعہ کربلا سے پہلے مل چکا تھا اور اَنتَ زین العابدین کی صدا آپؑ کے لئے غیب سے آئی تھی۔ نماز میں آپؑ کی محویت مولا علیؑ کی یاد دلاتی تھی۔ بعد کی تصویر صاف نہیں ہے مگر مطالعہ زندگانی امام وصحیفہ کاملہ کے بعد میرا دل کہتا ہے کہ بعد سانحۂ کربلا آپؑ کی عبادت ورکوع وسجود میں اضافہ پر اضافہ ہوتا رہا اور ابتدائے حیات سے امامؑ عالی مقام خوف وخشیت الٰہی وتضرع ومناجات میں ایک جوہر خاص کے حامل تھے جس کا اشارہ روایات واحادیث پیغمبرؐ میں بھی موجود ہے۔

یزید پلید کی ہلاکت کے بعد اسلامی دنیا کا متغیر منظر نامہ ہم سے یہ بھی کہتا ہے کہ امام علیہ السلام نے کوفہ وشام ہی میں عوام الناس کو بنی امیہ کا اصل چہرہ دکھا دیا تھا پھر امامؑ نے مدینہ میں آکر اپنے مقدس باپ حضرت سید الشہداؑ کی بے گناہی اور ان پر اشقیاء کے غیر انسانی ظلم وستم کو اپنی ترجمان حق زبان سے لہجۂ نبیؐ وعلیؑ میں آنسوؤں کی دھار سے منور کر کے یوں بیان کیا کہ اس کا فوری اثر خروج مختار وقاتلان کی سرکوبی وقتل کی صورت میں ظاہر ہوا اور پچاس برس کے اندر بنی امیہ کا نام ونشان مٹ گیا۔

انقلاب کی حقیقی تصویر

مسرف بن عقبہ کے ہاتھوں حرم رسولؐ کی بے حرمتی و پامالی کے موقع پر امام علیہ السلام کا محفوظ ومامون رہنا اور حصین ابن نمیر (قاتل شبیہ پیغمبر) کے ہزیمت خوردہ لشکر کے لئے آب وغذا کی فراہمی بتاتی ہے کہ کربلا سے واپسی کے بعد شہر مدینہ میں امامؑ کی سماجی حیثیت دوبارہ اپنے پدر وجد جیسی ہوگئی تھی۔ ان کا احترام وعزت لوٹا دی گئی تھی اور وہ مدینہ کے حقیقی مرجع بن چکے تھے اور یہ رتبہ آپؑ کی شہادت تک قائم رہا۔

انقلاب تو انقلاب ہے مگر اسلامی فریم کے اندر انقلاب کی تصویر کچھ دوسری ہوتی ہے ہم اولاً اپنے پیغمبر کو پیغمبرؐ انقلاب کہتے ہیں مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے سیاسی و مادی ہی نہیں اخلاقی انقلاب برپا کیا۔ عوام کے کردار وخیالات کو بدلا۔ انہیں انحراف والتقاط سے دور رکھا اور عرب کی قبائلی

زندگی ختم کر کے ایک صاف ستھری و مستحکم حکومت ہی نہیں بنائی بلکہ ایمانداروں، متقی و پرہیزگاروں کی ایک بے مثال فوج کھڑی کر دی۔

ہم امام زین العابدینؑ کو امانتدار انقلاب اسی معنی میں کہتے ہیں جس کی امامت کی ابتدا انکار بیعت سے ہوئی اور انتہاء عمر تک ان سے کوئی حاکم ہیکڑی نہیں دکھا سکا۔ ظاہر ہے کہ ایسی عظیم و مقدس ہستی ظالم بادشاہوں کی ہاں میں ہاں نہیں ملا سکتی تھی۔

اس کردار کا مثبت اثر ان کے پروردگان و وابستگان پر پڑا اور وہ بھی خفیہ و اعلانیہ بنی امیہ کی مذمت اور اہلبیتؑ اطہار کی فضیلت بیان کرنے لگے۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں یزید کی صلح بیعت اور اس سے کھلم کھلا بیزاری کی عام لہر اس کا ایک مظہر و ثمرہ تھی۔ سانحہ کربلا کے دس بارہ سال بعد جب ظالم حجاج بن یوسف ثقفی کی جلادی و بہیمانہ کارروائیوں کے باعث ۷۳ھ میں عبدالملک بن مروان کی حکومت بظاہر مستحکم کہی جاتی تھی۔

اس عہد میں بھی مسلک اہلبیت کے پیرو اپنی شورشوں، احتجاج، مسلح بغاوت سے اپنے وجود کو ثابت کرتے تھے ان لوگوں میں امامؑ کے ایک صحابی سعید بن جبیر بھی تھے جنہوں نے حجاج کے ایک مخالف ابن اشعث کی موافقت میں فتویٰ دیا تھا جس کی وجہ سے ظالم حجاج نے انہیں نہایت بے دردی و تذلیل کے ساتھ قتل کیا لیکن صابر امامؑ اس رنج و افسوس کی واردات کو جھیل گئے۔

حادثۂ کربلا اور اس کے ردعمل اور عوام کی اموی حکومت سے نفرت و بیزاری ایسے عوامل تھے کہ تقریباً پچاس سال تک یہ خوفزدہ حکومت صرف اپنے بچاؤ میں لگی رہی اور آگے کچھ نہ کر سکی ورنہ اگر اگلا زمانہ ہوتا تو جناب زید شہید پر فتح پانے کے بعد اموی حکومت ان کی حمایت کرنے والوں کے پیچھے پڑ جاتی اور پورا شہر کوفہ تاخت و تاراج کر دیا جاتا لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔

امام ابوحنیفہ جنہوں نے جناب زید شہید کی حمایت کا فتویٰ دیا تھا انہیں زندہ نہ رہنے دیا جاتا لیکن انہیں معمولی قید کی سزا دینے پر اکتفا کرنا یہ بتاتا ہے کہ حکومت اپنے ضعف کو محسوس کرتی تھی۔ ایک انقلاب کو کامیابی کے ساحل تک آتے آتے سو دو سو برس لگ جاتے ہیں۔

تاریخ کا تفصیل و دیدہ ریزی سے مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ عباسیوں کا ظہور، بنی امیہ کا

خاتمہ ابومسلم خراسانی کی تلوار اور ابوسلمہ خلال کی حکمت عملی کے بیج امام زین العابدینؑ کے عہد ہی میں پڑ گئے جس کی توضیح آئے گی۔

امام علیہ السلام اپنی عبادت گاہ میں آہ واشک کے رنگوں سے داستان پر درد کربلا کی ایسی منظر نگاری ایک طویل مدت تک کرتے رہے کہ سب پر حق آشکارا ہوگیا اور باطل کا چہرہ بالکل سامنے آ گیا اور آہستہ آہستہ آل محمدؐ کی حکومت کا خواب دیکھنا عوام کی عادت بن گیا۔

تمام عمر امام علیہ السلام اپنے بابا سید الشہداؑ کا بے مثال سوگ مناتے رہے۔ اپنے مقدس آنسوؤں کو پانی سے ارزاں کر دیا مگر نفسیاتی طور پر جب اسی حال میں امام واقعات کربلا کے بھوکے پیاسے مجاہدوں کی دردناک شہادت کا حال سناتے تو سننے والوں کا کلیجہ پاش پاش ہوجاتا۔ ایک طرف عوام کو حسینؑ سے ہمدردی پیدا ہوتی اور یزید و بنی امیہ کے حاکموں سے شدید نفرت، دوسری طرف وہ امامؑ سے اور زیادہ انس وقربت پیدا کرنا چاہتے تو امام اپنی دعاؤں سے ان کی روح کی تطہیر کرتے اور درحقیقت امامؑ کی یہ روحانی کشت کاری عہد امام محمد باقرؑ وحضرت جعفر صادقؑ میں خوب پھولی پھلی ان کے ہزاروں شاگرد اور راویان حدیث کا موجود ہونا ثابت کرتا ہے کہ ہمارے چوتھے امامؑ نے اس کی مقدماتی کارروائی میں بڑی محنت وکوشش کی تھی۔

صحفیۂ کاملہ کی دعائیں

یزید کو تخت پر بٹھانا اور اس کی بیعت کے لئے معاویہ کا جبر وقہر بتاتا ہے کہ اگر تھوڑی سی فکر اور غور سے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ سانحۂ کربلا کے قبل ہی معاویہ کے دور میں اسلام کے تمام بنیادی اقدار واخلاق کا خاتمہ ہو چکا تھا اور گروہ باطل کی حمایت کرنے والے اپنے عمل پر نازاں تھے۔ ان کی آنکھوں پر مادیت، حب جاہ، حشمت بیعت وظلم نے پردے ڈال دئے تھے دوسرے لفظوں میں عہد جاہلیت پلٹ آیا تھا۔ ضرورت تھی کہ امام اپنا فریضہ ادا کرنے میں لگ جائیں اور صاحب خلق عظیم اومکارم اخلاق کے آخری الٰہی معلم کے جانشین ہونے کی حیثیت سے تزکیہ نفس و پاکیزگیٔ اخلاق وطہارت کردار وسیرت کو ترجیح دیں۔ گویا صفر سے اپنا کام شروع کریں اور انہیں توحید ورسالت کی طرف کھینچ کر لانے میں جان کی بازی لگا دیں اور بے شک امامؑ نے ایسا ہی کیا۔

ان کی دعاؤں کا ایک ایک فقرہ حمد الٰہی کے نئے انداز، علم وحکمت کا خزانہ اور بھٹکے ہوئے انسان کو صراط مستقیم پر کھینچ لانے کی مضبوط زنجیر ہے۔ صحیفہ کاملہ کی دعاؤں کی اگر موٹی تقسیم کی جائے تو کھلتا ہے کہ اولاً امام علیہ السلام نے خدا کی حمد وتسبیح کی ہے جو بے مثال ہے اس لئے کہ حمد وتسبیح کا انداز یہ ہے کہ اسی سے اللہ تعالیٰ کی لامحدود کائنات اور پوشیدہ اجرام کا علم ہوتا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ سننے والوں کو لرزہ براندام کر کے اس حقیقت مطلقہ کے آگے سر جھکانے کی دعوت ہی نہ دے بلکہ سر بسجود کر دے چنانچہ ۱۹۲۸ء میں جب سرکار نجم العلما نے صحیفہ کاملہ کا انگریزی ترجمہ کر کے یورپ کے ملکوں میں بھیجا تو وہ منکرین وملحدین جنہوں نے "NO GOD" جیسی کتابیں لکھی تھیں انہوں نے متفقہ طور سے کہا کہ ''اگر خدا ایسا ہی ہے جیسا زین العابدینؑ نے بیان کیا ہے تو ہم ایسے خدا کو ماننے کے لئے تیار ہیں۔''

> امامؑ نے اپنی دعاؤں میں اخلاق انسانی کے ہر گوشے کو سنوارنے کی کوشش کی ہے۔ بڑی، چھوٹی، ظاہر ومخفی برائیوں کو ظاہر کر کے اس سے دور رکھنے کی دعا کی ہے۔ دعا کا یہ انداز اسلام کے ذخیرہ علم وعرفان میں صرف صحیفۂ سجادیہ کو حاصل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ امامؑ نے ان دعاؤں میں خلیفۂ الٰہی کی حیثیت کو ظاہر کیا ہے اپنی اور عبدیت کی شان بتائی ہے۔ جملہ ظالموں کے لئے بددعا کی ہے۔ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لئے مناجات کی ہے اس قسم کی تمام دعاؤں کو جمع کر کے خلاصہ کیا جائے تو ایک ایسی تصویر بنتی ہے جو رسول کے سچے جانشین وپیشوائے اسلام کی ہونی چاہئے۔

تیسری بات یہ ہے کہ امامؑ نے اپنی دعاؤں میں اخلاق انسانی کے ہر گوشے کو سنوارنے کی کوشش کی ہے۔ بڑی، چھوٹی، ظاہر ومخفی برائیوں کو ظاہر کر کے اس سے دور رکھنے کی دعا کی ہے۔ دعا کا یہ انداز اسلام کے ذخیرہ علم وعرفان میں صرف صحیفۂ سجادیہ کو حاصل ہے اس تعلق سے بڑے بڑے عارف وعلمائے روحانی نے اعتراف کیا ہے کہ اس بارگاہ جبروت میں دعا کیسے کی جائے۔ مخاطبت کا انداز کیا ہو۔ ''اگر امام زین العابدینؑ کی دعائیں نہ ہوتیں تو امت اسلام اس طرز بندگی سے ناواقف

رہتی اور یہ ایسا معادن کا بے بہا خزانہ ہے جس سے اسلامی دنیا مدتوں سے محروم رہی ہے۔''

مجھے اس حقیقت کو آشکار کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ خروج وشورش سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے نہ اسے بہتر جانتے تھے آپؑ کا قول تھا کہ ''ظہور مہدی سے قبل خروج کرنے والے کے مقدر میں ناکامی و رسوائی ہے'' لیکن جناب زید شہید و یحییٰ بن زید، محمد ابراہیم بن عبداللہ محض وغیرہم کی شہادت جو آپؑ کی زندگی کے بعد ہوئی بتاتی ہے کہ امام زین العابدینؑ کی رگوں میں بھی فاتح خیبر وخندق کا لہو دوڑتا تھا۔

مشیت الٰہی نے آپؑ کو اس سعادت کے اظہار کا موقع نہیں دیا مگر آپؑ کی اولاد امجاد کا قیام بتاتا ہے کہ جس کے فرزند اتنے غیور ہوں کہ اپنی بے عزتی پر مرنے کو ترجیح دیں ان کا باپ وہی ہوگا جس نے ابن زیاد سے بھرے دربار میں کہہ دیا تھا کہ تو مجھے موت سے ڈراتا ہے شاید تجھے معلوم نہیں کہ ''راہ خدا میں مارا جانا ہماری عادت ہے'' مگر امام زین العابدینؑ ہی کیا آپ کے بعد امام محمد باقرؑ وجعفر صادقؑ پر کتنا زور ڈالا گیا مگر وہ کسی خروج کرنے والے کے مؤید ہوئے نہ ساتھی بنے۔

البتہ امامؑ چہارم اپنے منصب کی ادائیگی میں پوری طرح سرگرم رہے درباری علماء کی ہمیشہ مخالفت کی۔ حاکم وقت عبدالملک بن مروان کو سدا ہی کمتر وحقیر سمجھا۔ اسے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ اس نے آپؑ سے رسول اللہ کی تلوار مانگی آپؑ نے نہیں دی۔ اس نے دھمکی دی کہ بیت المال سے آپؑ کا وظیفہ بند کر دیا جائیگا۔ آپؑ نے آیات قرآنی پڑھ کر اسے شرمندہ کیا اور ہمیشہ اس کے خطوط کا اسی طرح جواب دیا جیسے مولائے کائنات علی مرتضیٰؑ امیر شام معاویہ کو لکھا کرتے تھے۔

امامؑ نے اپنی روش حیات ایسی رکھی کہ دوستوں میں احساس کمتری نہ پیدا ہو اور وہ آل رسولؐ کی افضلیت کو کاملاً تسلیم کر لیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس کا برملا اظہار بھی کر سکیں جیسے جناب فرزدق نے لاکھوں انسانوں کے درمیان حج کے موقع پر امامؑ کا بہترین قصیدہ پڑھ کر ہشام بن عبدالملک کو شرمندہ ومشتعل کر دیا تھا۔ اسی طرح آپؑ کے ایک دلیر صحابی یحییٰ بن ام طویل تھے جو موقع بہ موقع بنی امیہ کو ان کی اصلیت بتاتے رہتے اور غصہ دلاتے رہتے۔ امامؑ کی یہ بین بین پالیسی بھی بنی امیہ کی راہ کا کانٹا تھی اس لئے آپؑ کو ولید بن عبدالملک نے زہر دغا سے ۹۵ھ میں شہید کر دیا۔

ضرورت ہے کہ اب امام زین العابدینؑ کے حالات پر کتابیں اسی نہج اور اسی تناظر میں لکھی جائیں اور ریزہ ریزہ احوال زمانۂ امامؑ کو خوردبین سے دیکھا بلکہ آنکا جائے۔ چند خاص نکات کی طرف خصوصی توجہ دی جائے مثلاً مورخ مسعودی نے صاف صاف تحریر کیا ہے کہ ''علی بن الحسینؑ نے اپنی امامت سخت ودشوار گزار زمانہ میں مخفیانہ اور شدید تقیہ کے ساتھ بسر کی۔''

چند اہم نکات

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد خوف ودہشت سے تمام لوگ اہلبیتؑ سے جدا اور دور ہوگئے۔ سوائے تین آدمیوں کے۔ اور ان کے نام (۱) ابوخالد کابلی۔ (۲) یحییٰ بن ام طویل (۳) جبیر بن معطم ہیں (میرے خیال سے راوی چند اور نام نہیں گنوا سکا مثلاً سعید بن جبیر وابوحمزہ ثمالی) مگر پھر آہستہ آہستہ لوگ امامؑ سے ملنے لگے اور ان کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی ان میں یحییٰ بن ام طویل تو ایسے تھے کہ مسجد نبوی میں بیٹھ کر لوگوں سے برملا کہتے تھے کہ ہم تمہارے مخالف تمہارے منکر ہیں اور ہماری تمہاری دشمنی وخصومت دائمی ہے۔

اس کے علاوہ تیسری صدی ہجری کے مشہور شیعہ محدث ودانشمند جناب فضل بن شاذان جو کئی ائمہ اہلبیتؑ کے شاگرد رشید رہے ہیں انہوں نے لکھا ہے کہ'' آغاز امامت میں علی بن الحسینؑ کے پیرو صرف پانچ نفر تھے سعید ابن جبیر، سعید ابن مسیب۔ محمد ابن جبیر ابن مطعم، یحییٰ بن ام طویل اور ابوخالد کابلی یہی تعداد بڑھتے بڑھتے ہزاروں میں پہونچ گئی۔ عرب تو عرب تھا خراسان اور فارس میں اہلبیتؑ کے شیدائیوں کا بادل امنڈنے لگا۔

امام کے قیام نہ کرنے کا بڑا سبب

حکومت جبار اموی کا کالا سایہ اور جاسوسوں کی کثرت جو امامؑ کی ہر حرکت وسکون کی خبر عبدالملک بن مروان تک پہونچاتے تھے حتیٰ کہ امامؑ کے اندرون خانہ کے مسائل کی خبریں دربار شام میں دم بدم پہونچائی جاتی تھیں امامؑ اس وقت دشواریوں کے دوراہوں پر تھے دل غم سے لبریز تھا۔ ہر وقت آنکھوں میں سانحہ کربلا اور باپ واعزا واقربا کا خون میں لوٹنا، اہل حرم کی بے پردگی، بچوں کی پیاس گردش کرتی رہتی تھی۔ عوام کے دل بھی ان مصائب وآلام کے تصور سے سوخت کر دئے گئے

تھے۔آپؑ لوگوں کے زخمی احساسات کو ہوا دے کر مخالفت کا پرچم بلند اور شورش برپا کر سکتے تھے لیکن اس کے لئے اسباب لازمی وشرائط موجود نہیں تھے۔دوسرا راستہ یہ تھا کہ اپنے حسن تدبیر دور اندیشی اور اخلاق سے اپنے اصل کام کے مقدمہ کو فراہم کریں یعنی تجدید اسلام۔اسلامی نظام کی بازآفرینی، احیاء سنت پیغمبرؐ۔

اس میں شک نہیں کہ پہلا راستہ فداکاری کا تھا لیکن ایسے مسلک کے رہبر اور ایسے پیغمبر کے جانشین کے لئے جس کا دائرہ کار وقتی طور پر بھی محدود نہ ہو بلکہ تاریخ کی عمر سے زیادہ طویل ہو صرف فداکاری کافی نہیں ہوسکتی تھی اس لئے آپؑ نے مدینہ کے شورشیوں اور یزید پلید کی خلع خلافت کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا بلکہ خانوادہ اہلبیتؑ کی خصوصیت واخلاق ہی کو اپنا کر ملعون مروان کے کنبہ کو پناہ دی۔قاتل شبیہ پیغمبر علی اکبر حصین ابن نمیر اور اس کے لشکر کی بھوک و پیاس مٹائی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حرم رسول کو تاراج کرنے والے ظالم مسلم بن عقبہ کی نظر میں آپؑ کا احترام واعتقاد زیادہ ہوگیا آگے چل کر بنی امیہ کا جلاد حجاج بن یوسف ثقفی بھی آپؑ کو چھیڑنے کی جرأت نہ کرسکا۔البتہ امامؑ نے قیام کی جگہ مبارزہ کیا جس کے چند پہلو یہ تھے جبکہ مقابل نے آپؑ کو محدود وتنہا کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کردی تھی۔

۱۔ عاشورہ کے حوادث اور اسکی یادوں کو زندہ وتابندہ رکھنا۔
۲۔ حبس، دباؤ اور اختناق کے دور میں امت کی رہنمائی اور پند ووعظ۔
۳۔ جماعت سازی اور امت کی اخلاقی گراوٹ کو روکنا۔
۴۔ دعاؤں کے ذریعہ معارف اسلامی، حقائق دین اور اسلام اصیل کی نشر واشاعت۔
۵۔ درباری علماء سے مبارزہ۔
۶۔ بے چارے، بے بس اور درماندہ افراد کی خفیہ دست گیری۔
۷۔ ایک تربیتی مرکز کا قیام جس میں انتہائی رازداری واحتیاط برتی جاتی ہو۔

★★★★★